آزاد دینی مدارس و مکاتب کا کارنامہ، ان کی ضرورت و افادیت اور نئے چیلنج

جائزہ، مشورہ، آگاہی

خطبۂ استقبالیہ

دینی تعلیمی کنونشن منعقدہ لکھنؤ

۱/۲/ جون ۱۹۸۹ء

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صدر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش

دفتر مجلس استقبالیہ کل ہند دینی تعلیمی کنونشن

۹۹ گوئن روڈ۔ امین آباد۔ لکھنؤ ۱۸

www.abulhasanalinadwi.org

بار اوّل

۱۴۰۹ھ — ۱۹۸۹ء

کتابت _____ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت _____ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

انچارج مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

دفتر مجلس استقبالیہ کل ہند دینی تعلیمی کنونشن

۹۹ گوئن روڈ۔ امین آباد لکھنؤ ۱۸

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وعلی آلہ واصحابہ وسلم

حضرات!

میں آپ کا اس قدیم علمی و تعلیمی شہر لکھنؤ میں مسلمانانِ شہر، محبانِ علم، اور دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کے ارکان، کارکنوں اور داعیوں کی طرف سے پُرخلوص طریقہ پر استقبال کرتا ہوں، آپ ایک اہم اور نازک ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے علم و دین سے ربط و تعلق اور ملّی تشخص کے دوام و بقا یا (خدانخواستہ) زوال و فنا کے ایک فیصلہ کن مرحلہ پر یہاں جمع ہوئے ہیں، میں اس نازک مرحلہ اور اس وقیع اور بیش قیمت اجتماع کے موقع پر (جو بار بار اور جلد جلد میسّر نہیں آتا) حقائق و واقعات، ماضی کے تجربات، اور مستقبل کے کھلے اشارات کی روشنی میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ آپ توجہ اور سنجیدگی کے ساتھ سماعت اور ان پر غور و فکر فرمائیں گے کہ مسئلہ کی نزاکت حقائق کی سنگینی اور زمانہ کی تیز رفتاری ایسی ہے کہ اندیشہ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کے ایک قدیم شاعر کا بیان کیا ہوا تجربہ حقیقتِ حال نہ بن جائے ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم و تعلیم کی اشاعت و عمومیت کی تحریک اور اس کی سعی و جدّ و جہد تقریباً ہر ملک میں اور تاریخ کے ہر دور میں کسی نہ کسی درجہ میں خلوص و ایثار،

www.abulhasanalinadwi.org

سادگی اور جفاکشی اور علمی نمونہ و کردار کے ساتھ متصف و مربوط رہی ہے، اور اسی میں نامور گاہ حالات، سلطنت و معاشرہ کے انقلابات، جابر حکومتوں کی موجودگی، طبعی مرغوبات، معاشی ضروریات، اور ہر زمانہ میں "معیارِ زندگی" کی بے رحم فرماں روائی کے باوجود تعلیم اور ثقافت (کلچر) کا ہر دور میں کام ہوتا رہا، نوشت و خواند کا دائرہ وسعت اور ترقی اختیار کرتا رہا اور زندگی اور مذہب کی بہت سی حقیقتیں اور صداقتیں ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی رہیں، اس تاریخی حقیقت کے امتحان و تصدیق کے لئے کہ تعلیمی خدمت کا ہر ملک اور ہر دور میں کسی نہ کسی درجہ میں خلوص و ایثار اور سادگی اور جفاکشی سے ربط و تعلق اور باہمی رفاقت رہی ہے، روایتی و عُرفی (TRADITIONAL) تاریخوں کے بجائے جو سرکار دربار، جنگوں اور انقلاباتِ سلطنت اور (سیاسی و انتظامی طور پر) سرآوردہ اشخاص سے تعلق رکھتی، اور انھیں کے گرد گھومتی ہیں، ماہرینِ علم و فن اور سماجی خدمتگاروں اور مذہبی پیشواؤں کی سوانح حیات اور تذکرے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

ہزاروں برس سے انسانی نسلوں میں (زبان و تہذیب اور مذاہب و عقائد کے اختلاف کے باوجود) جو احساسات و تأثرات نسل در نسل منتقل ہوتے رہے ہیں ان میں ایک "پیشہ ور" (PROFESSIONAL) اور "غیر پیشہ ور" (NON-PROFESSIONAL) میں فرق و امتیاز ہے، آخر الذکر (غیر پیشہ ور) کے ساتھ ہمیشہ احترام و اعتراف اور عقیدت و محبت کا تأثر اور تقلید و اتباع کا (خواہ اس پر عمل نہ ہو سکے) جذبہ اور شوق وابستہ رہا ہے، فطرتِ انسانی کے اسی دائمی تأثر و ردِّ عمل اور مسلّمہ حقیقت کے پیشِ نظر، ہر دور اور ہر امّت میں مبعوث کئے جانے والے پیغمبر نے اپنی قوم میں ہدایت و تبلیغ کا کام شروع کرتے وقت اس کی وضاحت ضروری سمجھی کہ وہ کسی دنیاوی منفعت، مال و دولت اور معاوضہ و اُجرت کا طالب نہیں، قرآن مجید کی

www.abulhasanalinadwi.org

سورۂ شعراء میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ میں سے کسی کے تذکرہ میں بھی ان کے اس بیان اور اطمینان دہانی کو نظر انداز نہیں کیا گیا کہ میں تم سے کسی دنیاوی منفعت کا امیدوار نہیں، ہر ایک کے تذکرہ میں اس کا بیان و اعلان نقل کیا گیا ہے کہ:

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ	میں تم سے (اس دعوت و نصیحت اور محنت
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[1]	سعی پر) کسی معاوضہ و منفعت کا طالب نہیں
	میرا معاوضہ و انعام ربّ العالمین کے ذمہ ہے۔

پھر جب خدا کا آخری دین اسلام دنیا میں آیا تو اس نے صحیح تعلیم کے کام کو اعلیٰ درجہ کی عبادت اور تقرّب الی اللہ کا ذریعہ اور اس کو انبیاء کی نیابت کا منصب قرار دیا،[2] اس کے نتیجہ میں پورے عالم اسلام میں آزاد دینی تعلیم کا نظام جاری ہوا اور آزاد دینی مدارس و مکاتب کا ایک جال بچھ گیا، عالم اسلام کے چپہ چپہ، شہر، قصبات اور دیہاتوں میں مدرسے اور مکتب قائم ہوئے اور بالعموم مسجدیں قرآن مجید اور ابتدائی دینیات کی تعلیم کا مرکز بن گئیں سلاطین وقت کی علمی قدردانی و سرپرستی اور شوق و کوشش کے باوجود اکثر یہ مدارس اور تعلیمی مراکز آزاد رہے اور ان کا براہ راست عوام سے ربط و تعلق رہا اور عوام سے ربط و تعلق کا گہرا نفسیاتی اثر اور فائدہ ظہور میں آیا جو بالکل قدرتی و منطقی ہے انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی ادارہ یا تحریک کی امداد میں براہ راست حصہ لیتا ہے (خواہ وہ کتنا ہی حقیر ہو) تو اس کو اس سے ایک نفسیاتی اور جذباتی تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے اس کا نتیجہ تھا کہ مستحکم اور طویل المیعاد اسلامی سلطنتوں کی موجودگی اور شاہانِ وقت کی فیاضی اور بعض اوقات

---

[1] ملاحظہ ہو سورۂ شعراء رکوع ۶۔ آیت ۱۰۹۔ و رکوع ۷۔ آیت ۱۲۷۔ و رکوع ۸ آیت ۱۴۵ و رکوع ۹۔ آیت ۱۶۴۔ و رکوع ۱۰۔ آیت ۱۸۰ [2] ملاحظہ ہو تعلّم و تعلیم کے فضائل، صحاح و کتبِ حدیث میں۔

www.abulhasanalinadwi.org

دینداری کے باوجود اس تحتی برِ اعظم کے مسلمانوں کی اسلام سے ارادی و شعوری وابستگی بقدرِ ضرورت دینی معلومات اور دینی احکام پر عمل کرنے کا جذبہ، اس آزاد دینی نظامِ تعلیم اور انھیں آزاد مدارس کے ایثار پیشہ اور مخلص فضلا کی سعی و جہد کا نتیجہ ہے، جس میں مسلم سلطنتوں اور فرماں رواؤں کا تقریباً کچھ حصہ نہیں، تاریخ و حقائق کی روشنی میں بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک نہ صرف اس برِ صغیر کے مسلمانوں کا بلکہ بیشتر یا تمام تر مسلم حتیٰ کہ عرب ممالک تک کے مسلمانوں کا دین و شریعت سے ربط و تعلق اور ان کی دینی باخبری، اور اسلامی ثقافت و تہذیب سے نہ صرف واقف ہونا، بلکہ اس کا حامل اور پُرجوش حامی ہونا انھیں ایثار پیشہ، رضاکار، اور کسی حد تک زاہد و متوکل فضلائے مدارس اور ناشرینِ علم و دین کا رہینِ منت ہے۔

ان مدارس کے اساتذہ و فضلاء میں سے متعدد اگرچہ اپنے فن کے ماہر اور یگانۂ روزگار عالم ہوتے تھے، لیکن وہ پورے اعتماد و افتخار کے ساتھ یہ کہنے کے اہل تھے کہ ؎

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں　　غلامِ طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن　　کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

اس آزاد دینی تعلیم کا ایک فائدہ یہ تھا کہ سلاطینِ وقت کے غلط اور بعض اوقات مخالفِ اسلام اور ماحیِ دین رجحانات، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دین کی بیخ کنی اور استیصال کی باعزم اور منظم کوششوں کا اثر مسلم معاشرہ پر بالکل نہیں پڑ سکا، اور درباریوں اور خوشامدیوں کے ایک مختصر حلقہ میں محدود ہو کر رہ گیا، اس کا ایک روشن ثبوت یہ ہے کہ شہنشاہ اکبر کی (جو سلطانِ ترکی کے بعد اپنے وقت میں دنیائے اسلام کا سب سے طاقتور اور وسیع المملکت بادشاہ تھا) تحریک و حدتِ ادیان، تعطیلِ شریعت اسلامی، بلکہ تنسیخ دینِ محمدیؐ کی منظم اور منصوبہ بند کوشش جس میں اس عہد کے بعض ذکی ترین بلکہ عبقری (GENIUS)

www.abulhasanalinadwi.org

افراد شریک تھے، مسلم معاشرہ پر قطعاً کوئی اثر نہیں ڈال سکی، اور جیسا کہ بعض یورپین مؤرخین نے اعتراف کیا ہے، وہ چند درباری اشخاص تک محدود رہی، اور مسلمان عوام اس سے کُلّی طور پر غیر متاثر رہے، اور یہ نتیجہ ان حقانی، ربانی علماء و مصلحین اور داعیانِ دین کا فیض تھا جن کا اثر عامّۃ المسلمین پر نہ صرف سرکاری درباری علماء سے زیادہ، بلکہ سلاطین و حکام سے بھی زیادہ تھا، اور جن کے بعض افراد کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ۔

ع جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے[1]

حکومت سے اسی بے نیازی، عامّۃ المسلمین سے ربط و تعلق، اور ایثار و جذبۂ قربانی کا نتیجہ تھا کہ جب ۱۸۵۷ء میں مُغلیہ سلطنت کا چراغ گُل ہوا، اور مسلمان اقتدار اور اس کے منافع و مواقع سے محروم ہوگئے، تو اس دینی تعلیم کے نظام و مراکز پر کوئی گہرا و انقلاب انگیز اثر نہیں پڑا، بلکہ ان میں مدارس کے قیام کا ایک نیا جوش و ولولہ پیدا ہوگیا، جو نہ صرف مسلمانوں کو دینی، ذہنی و تہذیبی ارتداد سے محفوظ رکھ سکیں، بلکہ (نظم مملکت کو چھوڑ کر) ہر طرح سے اسلامی سلطنت کی قائم مقامی کر سکیں[2]۔

انگریزی حکومت نے اپنے اقتدار و تسلّط اور تعلیمی نظام اور سوچے سمجھے منصوبہ کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی مراکز کے بقاء و حیات کے سرچشموں کو خشک کرنے کی ایسی منظم کوشش کی جس کے بعد ان مدارس اور اس دینی تعلیم کے نظام کا باقی رہ جانا ایک معجزہ سے کم نہیں، اور وہ (تاریخی تجزیہ اور فلسفۂ حیات کی رو سے) محض مسلمانوں کے عزم و قوتِ ایمانی

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم السطور کی تصنیف "تاریخ دعوت و عزیمت" کا حصہ چہارم و پنجم مشتمل بر تذکرۂ حضرت مجدد الف ثانیؒ و حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ [2] ملاحظہ ہو دار العلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد کے بارہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے مطمح نظر کی ترجمانی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی زبانی، مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کی کتاب "سوانح قاسمی" حصۂ دوم میں، (ص ۲۲۳-۲۲۴)

www.abulhasanalinadwi.org

اور شروع سے دینی تعلیم کے آزاد رہنے کا نتیجہ تھا، انگریزی حکومت کے ان انتظامات اور اقدامات کی بعض کڑیاں پیش کی جاتی ہیں جو ایک طویل اور آہنی زنجیر کا جزء ہیں، جو کسی نظامِ تعلیم کے ختم کرنے کے لئے بھی کافی ہے۔

۲۸-۱۸۱۳ء میں آنریبل مسٹر الفنسٹن اور ایف وارڈن نے مسئلۂ تعلیم پہ ایک یادداشت مرتّب کی جس میں حسب ذیل اعتراف موجود ہے :-

"ہم نے ہندوستانیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے، اور ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ تعلیمی ترغیب نہیں ہوتی، بلکہ اس سے قوم کا علم سلب ہوا جاتا ہے اور علم کے پچھلے ذخیرے نسیاً منسیاً ہوئے جاتے ہیں۔"[1]

ڈبلو۔ ڈبلو۔ ہنٹر (W. W. HUNTER) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" (THE INDIAN MUSALMANS) میں ہندوستانی مسلمانوں کی جائز شکایتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اور ان کو بجا قرار دیا ہے :-

"ان کو (مسلمانوں کو) شکایت ہے کہ ہم نے مسلمانوں سے مذہبی فرائض کو پورا کرنے کے ذرائع چھین لئے، اور اس طرح روحانی اعتبار سے ان کے ایمان کو خطرہ میں ڈال دیا، ہمارا بڑا جرم ان کے نزدیک یہ ہے کہ ہم نے مسلمانوں کے مذہبی اوقاف میں بددیانتی سے کام لیتے ہوئے ان کے سب سے بڑے تعلیمی سرمایہ کا غلط استعمال کیا۔"[2]

سر ولیم ہنٹر نے اپنی اس کتاب میں مسلمانوں کے نظام تعلیم و مدارس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے سے پہلے، وہ ملک کی سیاسی ہی نہیں،

لہ "حکومت خود اختیاری" از مولوی سید طفیل احمد صاحب منگلوری علیگ ایم۔ ایل سی ص ۹۵

۲ہ "ہمارے ہندوستانی مسلمان" ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین صاحب مطبوعہ اقبال اکیڈمی لاہور ص ۲۱۹

www.abulhasanalinadwi.org

بلکہ دماغی قوت بھی تسلیم کئے جاتے تھے اس ہندوستانی مدبّر کے الفاظ میں جو ان سے بخوبی واقف تھا، ان کا تعلیمی نظام اگرچہ اس نظام تعلیم کے مقابلہ میں کم درجہ پر ہے جسے ہم نے رائج کیا ہے لیکن پھر بھی اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنا غلطی ہے کیونکہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی تعلیم و تربیت کا اہل تھا، اس کی بنیادیں بالکل ہی ناقص اصولوں پر نہ تھیں گو ان کے پڑھانے کا طریقہ بہت پرانا تھا لیکن یقینی طور پر وہ ہر اس طریقہ سے برتر تھا جو اس وقت ہندوستان میں رائج تھا مسلمان اس طریق تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیاوی برتری حاصل کرتے۔"[1]

ڈاکٹر ہنٹر کی اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ آزاد اور غیر سرکاری تعلیم گاہوں کا ذریعۂ آمدنی کیا تھا، اور وہ کیوں ہر طرح کے ناسازگار حالات کے باوجود نہ صرف زندہ بلکہ مفید اور کارآمد رہے وہ لکھتا ہے :-

"ہم نے ان کے (مسلمانوں کے) طریقۂ تعلیم کو بھی اس سرمایہ سے محروم کر دیا جس پر اس کی بقا کا دارومدار تھا مسلمانان بنگال کا ہر اعلیٰ خاندان ایسے اسکول کا خرچ بھی برداشت کرتا تھا جس میں خود اس کے اور غریب ہمسایوں کے بچے مفت تعلیم حاصل کر سکتے تھے، جوں جوں صوبہ کے مسلمان خاندانوں پر ادبار چھاتا گیا، یہ خاندانی اسکول کم ہوتے اور ان کے اثرات بھی بتدریج مٹتے گئے .....

زمانۂ قدیم سے ہندوستانی شہزادوں کا دستور چلا آتا تھا کہ وہ نوجوانوں کی تعلیم اور خدا کی رضاجوئی کے لئے زمین کے قطعات وقف کر دے۔"[2]

---

[1] ایضاً ص ۲۵۹ [2] ایضاً ص ۲۶۷

www.abulhasanalinadwi.org

حکومت برطانیہ کی اس منظم و مسلح معنوی و ثقافتی نسل کشی ـــــ (CULTURAL GENOCIDE) اوقاف کی ضبطی، سرکاری ملازمتوں کے لئے فضلائے مدارس کی نااہلی کے قانون، اور اس سب سے بڑھ کر قدیم دینی تعلیم کے متوازی پرائمری اور ہائی اسکولوں کی سطح سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ملک گیر نظام کے قائم کرنے اور ان میں ہر طرح کی کشش اور ترغیب کے پہلو کے موجود ہونے کے باوجود مسلمان اپنے دین اور اس کی ثقافت (کلچر) اور تہذیب و معاشرہ سے وابستہ ہیں، اور وہ کسی بڑے پیمانہ پر بلکہ قابل ذکر سطح پر بھی دینی، تہذیبی و ثقافتی ارتداد کا اس طرح شکار نہیں ہوئے جس طرح اسپین کے مسلمان زوال حکومتِ اسلامی کے بعد شکار ہوئے، یہ تنہا آزاد دینی تعلیم اور آزاد مدارس و مکاتب اور ان کے فضلاء، وہاں سے تعلیم پاکر نکلنے والے مفتیوں، قاضیوں، واعظوں اور ائمۂ مساجد کا فیض تھا، اور انھیں کی وجہ سے نہ صرف علوم دینیہ بلکہ قرآن مجید پڑھنے اور یاد کرنے کی صلاحیت، اردو میں نوشت و خواند کی قابلیت اس نسل تک باقی رہی، اسی بنا پر عہدِ جدید کے نامور ترین مفکر اور ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے مدارس عربیہ و دینیہ پر تنقید کرنے والے ایک مسلمان صاحبِ قلم کی تنقید پر یہ فرمایا کہ "ان دینی مدارس کو کچھ نہ کہو اگر یہ باقی نہیں رہے تو ہندوستان بھی اسپین بن جائیگا"۔

ان مدارس اور ان کے فضلاء کی اس خصوصیت، اور اس ملک میں اسلام سے واقفیت اور وابستگی کے تسلسل و بقا میں ان کے عظیم کارنامہ کا بقدر ضرورت اور اضطراراً تذکرہ کرنے کے بعد ہم ایک دوسرے پہلو کی طرف بھی سامعین و قائدین اور حقیقت پسند اور منصف مزاج محبانِ وطن کی توجہ منعطف کرانا چاہتے ہیں، اور

www.abulhasanalinadwi.org

وہ یہ کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا حصہ اسی قدیم نظامِ تعلیم کے ساختہ پرداختہ فضلاء اور علمائے دین کا تھا، آزاد مسلم مفکرین و قائدین میں سرِ فہرست علمائے دین ہی تھے، جو سیاسی اور قومی تحریکات میں حصہ لینے کے نہ صرف قائل بلکہ داعی تھے اور سیاست کو مسلمانوں کے لئے (بعض جدید تعلیم یافتہ قائدین کی طرح) "شجرۂ ممنوعہ" نہیں سمجھتے تھے، انھیں علماء نے برطانوی حکومت کی مخالفت اور اس کے خلاف جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کے نتیجہ میں مولانا یحییٰ علی، مولانا احمداللہ عظیم آبادی، مولوی عبدالرحیم صادقپوری اور مولوی محمد جعفر تھانیسری کو پورٹ انڈمان روانہ کر دیا گیا، مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمداللہ صاحب کا انڈمان میں انتقال ہوگیا، اور مولوی محمد جعفر اٹھارہ سال کی قید بامشقت اور جلاوطنی کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے، ان کے علاوہ دوسرے ممتاز اور جلیل القدر علماء کو بھی انڈمان میں جلاوطنی کی سزا دی گئی، جن میں مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مفتی مظہر کریم دریاآبادی کے نام قابل ذکر ہیں، مولانا فضل حق خیرآبادی کا وہیں انتقال ہوا، اور بقیہ دو علماء طویل عرصہ کے بعد وطن واپس ہوئے۔

پھر جب ہندوستان میں تحریکِ خلافت اور اس کے ساتھ آزادی ہند کی تحریک شروع ہوئی تو اس میں بھی علماء ہی پیش پیش تھے، اس طویل و نورانی فہرست میں یہاں صرف شیخ الہند مولانا محمود حسن، قیام الدین مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید، ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی

www.abulhasanalinadwi.org

ندوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا نام لینا کافی ہے، ان میں شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل، مولانا حکیم نصرت حسین، اور مولوی سید وحید احمد کو ۱۹۱۷ء میں مالٹا جلاوطن کردیا گیا، یہ جماعت ۱۹۲۰ء تک وہیں رہی۔

انگریزوں سے نفرت اور حکومت انگریزی کی مخالفت میں ہر طرح کی سختیاں اور مصائب کے برداشت کرنے کی جس صلاحیت اور ہمت کا ثبوت جماعت علماء نے دیا، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا ہر طرح سے حق بجانب ہوگا کہ دینی تعلیم اور آزاد مدارس میں قربانی و ایثار کا جذبہ، عزیمت و عالی ہمتی اور بلند نگاہی پیدا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہے، اور ملک و قوم کو درپیش مصائب و خطرات کے موقعہ پر یہی جماعت (جو مادی ترقیات معاشی آسودگی اور عزت و اقتدار کے حصول سے زیادہ آسانی کے ساتھ صرفِ نظر کرسکتی ہے) زیادہ کام آنے والی ہے۔

اس کے ساتھ ضمناً اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علم و تحقیق کی آبرو، ذوق مطالعہ اور علم و تصنیف کی راہ میں خود فراموشی اور محنت کوشی انھیں عربی و دینی مدارس سے قائم ہے، ان میں سے ایک ایک آدمی نے اکیڈمی کا کام کیا ہے، اس سلسلہ میں ان مصنّفین کے تصنیفی کارناموں کا ذکر موجب طوالت و ملال طبع کا باعث ہوگا۔[1]

ان آزاد دینی مدارس و مکاتب کا یہ احسان اور کارنامہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کہ اس دور میں اب اردو انھیں کے ذریعہ نئی نسل کی طرف منتقل ہو رہی ہے، اور اس نسل میں

---

[1] اس کے لئے راقم کی کتاب "ہندوستانی مسلمان" جو اس کی عربی تصنیف "المسلمون فی الھند" کا ترجمہ ہے، کا باب "علمائے ہند کے علمی کارنامے" ص ۳۵-۵۰ ملاحظہ فرمایا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اردو نوشت وخواند اور قدیم دینی وعلمی ذخیرہ سے ربط وتعلق واستفادہ کی صلاحیت انھیں مدارس ومکاتب کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے ورنہ جدید تعلیم گاہوں میں تعلیم پانے والے (اسکولوں سے لے کر یونیورسٹی کے طلبہ تک) اردو میں تحریر وتصنیف کا کیا ذکر ہے اردو پڑھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہوتے جارہے ہیں اور اپنے والدین اور سرپرستوں سے ہندی یا انگریزی میں خط وکتابت کرنے پر مجبور ہیں۔

حضرات!

گذشتہ بیان اور معروضات سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ کسی ملک میں دین سے وابستگی اور ملت کے تشخص کا بقا دینی تعلیم کے حکومت کی ان پابندیوں سے آزاد رہنے اور ان قوانین سے مستثنیٰ ہونے میں مضمر ہے، جو ملک کی مادی ضرورتوں کی تکمیل اور عام نظم ونسق کے شعبوں کے لئے ضروری یا مفید ہوسکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر ذمہ دارانِ حکومت صحیح معنی میں حقیقت پسند اور محبِ وطن ہوں تو ان کو ہر ایسی کوشش اور ہر ایسے ادارہ کو نہ صرف باقی رہنے کی اجازت دینی چاہیئے، بلکہ اس کی ہمت افزائی اور قدردانی کرنی چاہیئے، جو ملک میں علم وخواندگی اور ثقافت وتہذیب کی اشاعت وترقی اور ان کی توسیع میں مدد دے کہ اس وسیع، طویل وعریض اور کثیر آبادی کے ملک میں اگر کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھ کر جسم وجان کا رشتہ قائم رکھنے والی خوراک اور بقدر ستر پوشی پوشاک پر قناعت کرتے ہوئے تعلیم وتربیت کا کام کرے تو ہر محبِ وطن انسان اور علم کے ہر قدردان کو اس کا نہ صرف خیر مقدم کرنا چاہیئے بلکہ اس کا شکر گذار ہونا اور اس پر فخر کرنا چاہیئے کہ تمام تر سرکاری وسائل اور زیادہ سے زیادہ تعلیم گاہوں کے قیام اور ان کے لئے اساتذہ کی فراہمی کے باوجود اس ملک کی

www.abulhasanalinadwi.org

آبادی کے بڑے حصہ کو خواندہ و تعلیم یافتہ نہیں بنایا جا سکتا، چہ جائیکہ اخلاق و سیرت کی تعمیر ہو اور باکردار شہری پیدا ہوں۔

اسی بنا پر ہم حکومت کے ان قوانین و ضوابط کے خلاف احتجاج کرنے پر مجبور ہیں، جو آزاد دینی تعلیم اور آزاد مدارس و مکاتب کے قیام اور ان کے آزادی سے تعلیمی خدمت اور علم و ثقافت کی اشاعت اور مسلمانوں کو اپنے دین سے اس درجہ واقف کرانے کے کام میں خلل انداز ہوں جو ان کے لئے مذہبی طور پر ضروری ہے، اور وہ تعلیم گاہیں یا تو قائم نہ ہو سکیں، یا اگر قائم ہیں تو باقی نہ رہ سکیں، مثلاً کم سے کم تنخواہ و معاوضہ MINIMUM WAGE کا قانون، یا مدارس و مکاتب کے لئے اپنے قیام و جواز کے لئے لائسنس لینے کی پابندی، جو حکومت کے دوسرے شعبوں جن کا نظم و نسق ADMINISTRATION یا محنت LABOUR سے تعلق ہے، کے لئے موزوں ہیں، لیکن دینی مدارس و مکاتب کے لئے جن کا شعار اور طاقت و خصوصیت زمانۂ قدیم سے لے کر اس وقت تک ایثار و قناعت رہی ہے، اور ہمیشہ رہنا چاہیئے، ناموزوں اور سخت مضرت رساں ہیں، ہم اپنا جمہوری، مذہبی، اخلاقی اور شہری حق سمجھتے ہیں کہ اس کے خلاف آواز بلند کریں کہ ملک کے دستور نے ہر اقلیت اور ہر اکائی کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنی پسند کے مدارس قائم کرے، اور اپنی پسند اور صوابدید کے مطابق ان کو چلائے، ہم خالص حبّ الوطنی اور ہندوستان کے لئے اس کو باعثِ فخر سمجھنے کی بنا پر بھی یہ کہتے ہیں کہ تعلیم و تربیت اور ثقافت و تہذیب کے پھیلانے میں ایثار و قربانی کی اس روایت کو جو ہندوستان کی قدیم تاریخ کا بھی طرۂ امتیاز رہا ہے، باقی رہنا چاہیئے۔

آخر میں بڑی معذرت کے ساتھ ایک تلخ حقیقت کی طرف بھی توجہ دلانا

www.abulhasanalinadwi.org

چاہتا ہوں کہ ان مدارس و مکاتب کے سرکاری الحاق اور سرکاری امداد قبول کر لینے کے بعد یہ اندیشہ ہے، (جو واقعہ بن کر سامنے آگیا ہے) کہ ان مدارس کا عوام سے رابطہ بھی ٹوٹ جائے اور وہ مقصد بھی حاصل نہ ہو جس کے لئے سرکاری امداد اور ایڈ قبول کیا گیا ہے، کچھ عرصہ پہلے پٹنہ کے ایک جلسہ میں شرکت کے موقعہ پر جو امارت شرعیہ بہار کے قائم کردہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کی یادگار میں اسپتال کے افتتاح کے لئے منعقد کیا گیا تھا، اور جس میں بہار کے چیف منسٹر بھی شریک تھے، ایک عربی مدرسہ کے ذمہ دار نے تقریر میں کہا کہ چھ مہینے سے ہم کو سرکاری امدادی رقم نہیں ملی، ہمارے بچے فاقہ کر رہے ہیں، یہ بہار کا حال تھا جہاں اکثر مدارس عربیہ سرکاری امداد قبول کر چکے ہیں، ابھی چند ہی دن پہلے ۱۳ رمئی کے "قومی آواز" (لکھنؤ) میں جھانسی کے ایک دینی مدرسہ کے صدر مدرس یا مہتمم صاحب کا مراسلہ شائع ہوا ہے، اس میں صاف لکھا گیا ہے کہ پانچ مہینے سے ہم کو سرکاری امداد نہیں ملی، اور ہمارے بچے فاقہ کر رہے ہیں، ایسی حالت میں بڑے ٹوٹے کا سودا ہوگا کہ ہمارا رشتہ عوام سے بھی ٹوٹ جائے اور ہم ان کی ہمدردی اور اعانت سے بھی محروم ہو جائیں، اور حکومت کے تغافل یا اس کے نظم و نسق کی طوالت کا بھی شکار ہوں، اس طرح (بہت معذرت کے ساتھ) صرف اس مصرعہ پر اکتفا کروں گا کہ۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

میں ایثار و قربانی کی اس دعوت کے ساتھ جو کسی نہ کسی درجہ میں دینی تعلیم کے بقاء و ملت کے تشخص کی حفاظت کے لئے ضروری ہے، حقائق اور زندگی کی طبعی و فطری بلکہ شرعی ضروریات سے چشم پوشی نہیں کر سکتا، مدارس و مکاتب کے اساتذہ و منتظمین کے لئے

www.abulhasanalinadwi.org

بقدر ضرورت وباعزت معاشی انتظام کی بیشک ضرورت ہے، مدارس کے ذمہ داروں کو اس پر ہمدردانہ غور کرنا اور اس تقاضہ کو اپنے وسائل اور دائرۂ اختیار میں رہ کر پورا کرنا ضروری ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ اور مدارس و مکاتب کے کارکنوں اور خدمت گذاروں کو کسی نہ کسی درجہ میں ایثار و قناعت سے کام لینے اور ایمان و احتساب (اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کے اجر و ثواب کی امید میں کام کرنے) کے ساتھ اس چراغ کو روشن رکھنے اور اس کی روشنی دور دور اور دیر دیر تک پہونچاتے رہنے کی کوشش و جانفشانی بھی جاری رکھنی چاہیئے کہ اس دین کا ماضی، حال اور مستقبل ایمان و یقین، ایثار و توکل اور عزم و ہمت سے وابستہ رہا ہے اور رہے گا اور یہی جوہر ہر طرح کے بدلے ہوئے حالات اور تیز و تند آندھیوں میں بھی اس چراغ کو گل ہونے سے بچاتا رہا ہے، اور بچاتا رہے گا ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

میں اقبالؒ کے ان اشعار پر گذارش کا اختتام کرتا ہوں کہ ؎

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک — اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت — فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

www.abulhasanalinadwi.org